مکالمہ بین المسالک ــــ ضرورت واہمیت

شیر علی *
محمد جواد مجید *

ABSTRACT:

Dialogue is the best tool to solve the issues and conflicts of the opinions. Islam encourages Dialogue to settle the differences for creating a flexible and harmonic society. Interfaith Dialogue has gained special attention now a days. Its synonym is "Hawar" in Arabic language. This word has been used in same context in the " Holy Quran" at several occasions. Dialouge among different schools of thought in Muslims, is need of hour to develop tolerance and peace in society. Interfaith Dialogue should be held to strengthen the Muslim Ummah. The Duty lies on the Scholars of each faith that they play their Positive Role in Interfaith Dialogue.

Keywords: Dialogue, Harmonic Society, Tolerance, Muslim Ummah.

مکالمہ کا مطلب ہے بات چیت، گفتگو کرنا، باہم مباحثہ کرنا۔ مکالمہ کے لیے انگریزی میں لفظ (Dialogue) اور عربی میں ''حوار'' استعمال کیا جاتا ہے۔ ''حوار'' عربی زبان کی ایک معروف اور رائج الوقت اِصطلاح ہے۔ حوار کے متعلق ابنِ منظور افریقی لکھتے ہیں:

> حوار: اِس کی اصل حَور ہے (حا کی فتح اور واؤ کے سکون کے ساتھ) اور اس سے مراد کسی چیز سے لوٹنا اور کسی چیز کی طرف لوٹنا۔ اور محاورہ سے مراد نطق کو لوٹانا، باہمی گفتگو کو لوٹانا وہ کلام کو لوٹاتے ہیں، گھر کو واپسی چاہنا، اس عورت کا بات چیت کو لوٹانا، حوار سے مراد رجوع (پلٹنا، لوٹنا) ہے۔ (۱)

قرآنِ کریم میں ''حور'' کا لفظ لوٹنے، پلٹنے اور رجوع کرنے کے مفہوم میں آیا ہے، سورہ انشقاق میں ہے:

> اس نے گمان کیا کہ اسے ہرگز لوٹنا نہیں ہے۔ (۲)

قاموس المحیط میں ہے:

> ''محاورہ، محورۃ اور محورۃ، حویر اور حوار (زیر کے ساتھ) کا معنی ہے جواب دینا۔ اور حیرہ اور

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ وعربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد　برقی پتا: drsherali63@gmail.com
** پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ وعربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد
تاریخ موصولہ: ۲۰/۲/۲۰۱۷ء

حویرہ سے مراد ہے نطق کو لوٹانا اور تحاورو سے مراد باہمی کلام کرنا اور التحاور سے مراد التجاوب ہے یعنی باہمی جواب دینا۔"(۳)

حوار کا لفظ قرآنِ کریم میں باہمی گفتگو، سوال و جواب اور بحث ومباحثہ کے لیے استعمال ہوا ہے:

"اس نے اپنے ساتھی سے بحث مباحثہ کے دوران کہا کہ میں دولت کے لحاظ سے تم سے زیادہ ہوں اور نفری کے لحاظ سے بھی تم سے طاقت ور ہوں۔"(۴)

"اس کے ساتھی نے اسے بحث ومباحثہ کے دوران کہا، کیا تو اِنکار کرتا ہے اس ذات کا جس نے تجھے پیدا فرمایا مٹی سے، پھر نطفہ سے پھر بنا سنوار کر تجھے مرد بنایا۔"(۵)

سورۃ مجادلہ میں حوار کا لفظ باہمی مراجعت کے مفہوم میں یوں مذکور ہے:

"بے شک اللہ نے سنی اس کی بات جو تم سے اپنے شوہر کے معاملہ میں بحث کرتی ہے اور اللہ سے شکایت کرتی ہے اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے بے شک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"(۶)

حوار سے مراد طرفین کا آپس میں مکالمہ کرنا، گفتگو کرنا اور تبادلہ خیال کرنا ہے جیسا کہ مختلف مفسرین کے نزدیک: "وَهُوَ يُحَاوِرُهُ" کی تفسیر بحث ومباحثہ (۷) بات چیت یا گفتگو کرنا (۸) اور بحث کرنا ہے۔"(۹)

'حوار' کا لفظ احادیث میں بھی رجوع کرنا، لوٹنا اور پلٹنا کے مفہوم میں متعدد بار آیا ہے۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"اور جس نے کسی آدمی کو کافر یا اللہ کا دُشمن کہا اور وہ حقیقت میں ایسا نہ ہو تو وہ کلمہ اسی (کہنے والے) کی طرف لوٹ جائے گا۔"(۱۰)

حدیث میں 'حور' کا لفظ لوٹنے، پلٹ جانے اور منزل کی طرف واپس آنے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوا ہے:

"رسولِ کریم ﷺ جب سفر کو روانہ ہوتے تو فرماتے اے اللہ ہم سفر کی مشقت، منزل واپسی کی بُرائی، خوشحالی کے بعد تنگ حالی، مظلوم کی بددُعا اور اہل وعیال اور مال میں خرابی سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔"(۱۱)

حور بعد الکور کا معنی خوشحالی کے بعد تنگی کے لوٹ آنے کے جس سے آنحضور ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔

ڈاکٹر صالح بن حمید لکھتے ہیں:

"حوار اور جدال سے مراد عوام الناس کی اِصطلاح میں، دو یا زیادہ اطراف کے درمیان بحث و مباحثہ ہے، جس کا مقصد تصحیحِ کلام، اظہارِ حجت، اثباتِ حق، دفعِ شبہات اور قول ورائے سے فاسد بات کا رد کرنا ہے۔"(۱۲)

درج بالا لغوی اور اصطلاحی مفہوم سے واضح ہوا کہ کلمہ حوار کا اطلاق مختلف معانی اور متعدد مفاہیم پر ہوتا ہے جیسا کہ باہم گفتگو کرنا، کلام کرنا، سوال و جواب کرنا، مراجعت کرنا، مشورہ کرنا، بحث ومباحثہ کرنا، افہام وتفہیم سے مسئلے کا حل دریافت کرنا وغیرہ اگرچہ مناظرہ، مجادلہ، محاجہ، جدال کا تعلق حوار کے ساتھ ہے کیونکہ ان سب میں مشترکہ بات طرفین کا آپس میں مکالمت اور مراجعت کرنا ہے لیکن مناظرہ اپنی دلیل، حجت، برہان اور غور وفکر پر مبنی ہونے کی بنا پر ان سے الگ طرزِ استدلال و استنباط پر مشتمل ہے اور نفس جدال ومحاجہ اپنی بنیاد میں خصومت، تعصب اور تغلب کی روش کی وجہ سے ان سے الگ ہو جاتے ہیں جب کہ حوار سے مراد تحریر اور کلام میں ایسی مراجعت ہے جو باہمی محبت وخلوص، خیر خواہی اور باہمی تعلیم وتعلّم پر مبنی ہو۔

مکالمہ کی ضرورت، اہمیت اور اقسام

مکالمہ کی ضرورت سے اِنکار نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ مافی الضمیر کے اِظہار کا ذریعہ ہے اور اسی وجہ سے کائنات کا نظام رواں دواں ہے۔ مکالمہ کی اہمیت بیان کرنے کے لیے یہ حقیقت ہی کافی ہے کہ قرآن وحدیث نے بے شمار مکالمات کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کیا ہے۔ صحابہ کرامؓ اور صلحاء اُمت نے بھی ہمیشہ مکالمہ کا اہتمام کیا اور اس سے بہترین نتائج حاصل کیے۔ دینِ اسلام کی تاریخ میں ہونے والے مکالمات کا شمار ممکن نہیں۔ بہت سے مکالمات فتنہ ختم کرنے کا سبب بنے۔ مہاجرین وانصارِ مدینہ کے درمیان سقیفہ بنی ساعدہ میں نزاع واختلاف ہوا، جو مکالمہ کی بدولت حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے فیصلہ پر ختم ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور اصحابِ شوریٰ کے مابین مکالمات ہوئے۔

قرآنِ کریم میں مذکور مکالمات کو درج ذیل پانچ اصناف میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے مابین مکالمہ: جیسا کہ تخلیقِ آدم علیہ السلام کے وقت اللہ تعالیٰ کا ملائکہ اور حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ۔[۱۳] اور سورۃ المائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ۔[۱۴]

۲۔ مومن اور مومن کے مابین مکالمہ: جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام[۱۵] اور فرشتوں اور حضرت داؤدؑ کا قصہ۔[۱۶]

۳۔ مومن اور کافر کے مابین مکالمہ: جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اپنی قوموں سے مکالمے، آلِ فرعون میں سے ایک مومن کا مکالمہ[۱۷] اور مومن جن کا اپنی قوم سے مکالمہ۔[۱۸]

۴۔ کفار کے مابین مکالمہ: جیسا کہ فرعون کا اپنے درباریوں سے مکالمہ[۱۹] اور اہلِ جہنم کا آپس میں بحث ومباحثہ کرنا۔[۲۰]

۵۔ انسان کا حیوان کے ساتھ مکالمہ: جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہُدہُد کے قصے سے ظاہر ہے۔[۲۱]

فقہائے اسلام اور علمائے اُمت کے درمیان مختلف مسائل پر کثرت سے علمی مکالمات جاری رہے اور تاریخِ اسلام کے ہر دور میں مکالمات کا اہتمام کیا گیا جو اِس بات کی دلیل ہے کہ مکالمہ کی ضرورت، اہمیت اور اصول وآداب کی تہذیب وتشریح بیان کی جائے۔

صحابہ کرام مجتہدین ملت اور فقہاء اسلام جن کے اجتہاد کی بنا پر مختلف فقہی مسالک رائج ہوئے ،بھی ایک دوسرے کے ساتھ مکالمہ کرتے ،ان میں اختلاف رائے بھی ہوتا تھا،لیکن وہ ایک دوسرے کی بات کو سنتے اور تسلیم کرتے تھے اور آج ہم انہی کی فقہ کے پیرو ہیں اور ایک دوسرے سے نالاں بلکہ دوسری فقہ کے پیروکاروں کو اپنا مخالف سمجھتے ہیں، اوائل اسلام میں ایسا رویہ ہرگز دیکھنے میں نہیں آتا۔

قرآن وسنت نے صرف مخالف رائے رکھنے والوں کو قائل کرنے کے لیے ہی مکالمہ کی تلقین نہیں کی بلکہ بہت سے مقامات پر تعلیم وتربیت کے تعلق سے بھی مکالمہ کی مثالیں پیش کی ہیں، جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے مکالمہ ربانی،[۲۲] ''فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا o يَّرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَ اجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا''[۲۳] حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام[۲۴] حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام،[۲۵] اور حضرت مریم علیہا السلام،ان کے شیرخوار صاحب زادے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان مکالمہ[۲۶] میں تعلیم وتربیت کا پہلو غالب ہے۔مکالمہ بہ ضرورتِ تعلیم وتربیت کی ایک بہترین مثال حدیث جبریل علیہ السلام ہے جس کے آخر میں رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:

''یہ جبریل علیہ السلام تھے وہ اس لیے آئے تھے تاکہ تم کو تمہارے دین کی تعلیم دیں۔''[۲۷]

مکالمہ بین المسالک کے اصول وآداب

مکالمہ ایک مثبت سرگرمی ہے اور قرآن وسنت نے اس کے اصول وآداب بیان کیے ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

i۔صدق نیت اور اِصلاح کا جذبہ

بہترین اور کامیاب مکالمہ کے لیے صدقِ نیت اور اصلاح کا جذبہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔مکالمہ کا مقصد اپنے نفس کو ہر قسم کے لالچ اور حرص سے پاک رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دین کی تفہیم وتشریح پیش کرنا ہے نہ کہ مناظرہ یا محض بحث ومباحثہ کرنا۔مکالمہ میں اخلاص سے کام لیتے ہوئے۔حق وصداقت کی بات کرنی چاہیے۔

حُسنِ نیت کا تقاضا ہے کہ طرفین (محاوِرْ اور محاوَرْ) کا مقصد دینِ اسلام کی تفہیم ہو اور اخلاص کے ساتھ مکالمہ کیا جائے۔ارشادِ ربانی ہے:

''کہہ دیجیے کہ میں تو تمہاری مثل ایک بشر ہوں،میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا ایک ہی معبود ہے۔پس تم میں سے جو بھی اپنے رب کی طرف رجوع چاہتا ہے اسے چاہیے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔''[۲۸]

ابنِ کثیر نے فلیعملِ عملاً صَلِحًا ولا یشرک بعبادہ ربہ احداً کی تفسیر میں لکھا ہے:

''(وہ عمل) جو اللہ کی شریعت کے مطابق ہو اور اس سے صرف اللہ وحدہ لاشریک کی رضا مطلوب ہو

اور یہ دونوں عمل کے مقبول ہونے کے بنیادی رکن ہیں اور ان دونوں کا رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق اللہ کے لیے خالص ہونا ضروری ہے۔''(۲۹)

مکالمہ کے لیے نیت کا خالص ہونا ضروری ہے کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور آدمی کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔''(۳۰)

مکالمہ میں تعصب، غرور، تکبر، احتکار وغیرہ کا اظہار ممنوع ہے۔انبیائے علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم سے مکالمہ کے دوران اخلاص کے ساتھ اِصلاح احوال کو اپنا مقصد بنایا اور قوم کے فضول اور بے جا سوالات کے باوجود انھوں نے ان کا جواب اِصلاح کے لیے پیرائے میں دیا۔حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

''اے قوم مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں۔تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی چاہتا ہوں اور مجھ کو اللہ کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن سے تم بے خبر ہو۔''(۳۱)

ھود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

''اے قوم! مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں میں تمہیں اللہ کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امانت دار خیر خواہ ہوں۔''(۳۲)

حافظ ابنِ کثیر لکھتے ہیں:

''وہ صفات جن سے رسولوں کو متصف کیا جاتا ہے وہ یہ ہیں بلاغ، نصیحت کرنا اور امین ہونا''(۳۳)

حضرت شعیب علیہ السلام کے اپنی قوم کے ساتھ مکالمہ سے بھی صدق نیت اور اِصلاح کی اہمیت وضرورت واضح ہوتی ہے:

''اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ ۚ وَ مَا تَوۡفِیۡقِیۡۤ اِلَّا بِاللّٰہِ ؕ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَ اِلَیۡہِ اُنِیۡبُ''(۳۴)

حضرت شعیب علیہ السلام کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میرا کوئی ذاتی مفاد اور مقصد نہیں ہے، سوائے یہ کہ تمہارے احوال کی اِصلاح اور تمہارے فوائد مستحکم ہوں اور یہ خاص مقاصد صرف میرے اکیلے کے لیے نہیں ہیں بلکہ ان میں آپ سب لوگوں کی اِصلاح و بہتری ہے۔

ii۔عدل و اِنصاف

عدل و اِنصاف دینِ اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔اسلام نے ہر حال میں اپنے پیروکاروں کو عدل و اِنصاف کا حکم دیا ہے:

''بے شک اللہ تمہیں عدل و اِنصاف اور رشتہ داروں کو عطا کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور

نامعقول کاموں اور سرکشی سے روکتا ہے اور تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔"(۳۵)

حکم دینے میں عدل کو ملحوظِ خاطر رکھنا لازم ہے:

"اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔"(۳۶)

اگر مسلمان عدل و اِنصاف سے کام لیں تو اُمتِ مسلمہ میں جو ظلم، اختلاف، اِنتشار اور شقاق پیدا ہو رہا ہے۔اس سے بچاؤ ممکن ہے۔ اِنصاف کا تقاضا ہے کہ فکر اور صاحبِ فکر کے مابین بھی عدل کیا جائے اور مختلف مسالک سے منسوب بے بنیاد باتوں کی بجائے، جید، ٹھوس اور بنیادی اصول وضوابط کی روشنی میں مکالمہ کا اہتمام کیا جانا چاہیے۔

ارشادِ ربانی ہے:

"اے ایمان والو خدا کے لیے اِنصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دُشمنی تمہیں اِس بات پر آمادہ نہ کرے کہ اِنصاف چھوڑ دو، اِنصاف کیا کرو کہ یہی تقویٰ کی بات ہے۔"(۳۷)

علامہ طبری تحریر کرتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ مومنین کو اِس بات کی ہدایت کرتا ہے کہ ان کے اخلاق اور صفات میں سے ایک صفت عدل و انصاف ہو اور انھیں چاہیے کہ وہ حق بات کہیں چاہے ان کے اپنے یا رشتہ داروں کے خلاف ہو، جس طرح کہ اللہ ان کو ڈراتا ہے کہ تم کسی قوم پر ظلم وستم کر کے خواہ مخواہ ان کی دُشمنی مول نہ لو اور انھیں تنبیہ کرتا ہے کہ شہادت اور اس کی مثل چیزوں میں خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرو۔"(۳۸)

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے فتح مکہ کے موقع پر راز فاش کر دیا تو رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:

"تم نے ایسا کیوں کیا؟ حاطبؓ نے کہا: واللہ! میں اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں نے چاہا کہ وہاں میرے اہل وعیال اور اموال ہیں ان کو گزند سے بچانے کے لیے میں نے ایسا کیا وہاں میرے خاندان کا کوئی فرد نہیں تھا جو میرے اہل وعیال اور اموال کی حفاظت کرتا"(۳۹)

نبی ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔اور سوائے خیر کے اسے کچھ نہ کہا۔

حضرت عمرؓ نے کہا: اس نے اللہ اور مومنوں کے ساتھ خیانت کی ہے، مجھے اجازت دیجیے کہ اس کی گردن مار دوں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہ اہلِ بدر میں سے نہیں؟ اور فرمایا کہ اللہ نے اہلِ بدر کے متعلق فرمایا ہے کہ تم جو چاہو عمل کرو تمہارے گناہ بخش دیئے اور تم پر جنت واجب کر دی۔

حضرت عمرؓ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔)

رسولِ کریم ﷺ نے حضرت حاطبؓ کا عذر قبول کیا اور سوائے خیر کے اسے کچھ نہ کہا بلکہ صحابہؓ کو بھی حضرت حاطبؓ کے متعلق حُسنِ ظن کا اِرشاد فرمایا۔اس کی ایک مثال حضرت عائشہؓ کا حضرت حسانؓ سے اِنصاف کرنا ہے۔حضرت حسانؓ بن

ثابت قصہ افک میں اُم المومنین پر الزام لگانے والوں میں شامل تھے۔ جب حضرت عائشہؓ کے سامنے حضرت حسانؓ کو بُرا بھلا کہا گیا تو آپؓ نے کہا:

''اسے بُرا بھلا مت کہو کیونکہ یہ رسولِ کریم ﷺ کا دفاع کرتے ہیں۔''(۴۰)

مکالمہ کے دوران میں اپنا مؤقف پیش کرتے ہوئے عدل و اِنصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور کسی قسم کی مبالغہ آرائی اور افراط وتفریط سے گریز کیا جائے۔ ارشادِ ربانی ہے:

''اور جب تم بات کرو تو عدل سے (بات) کرو۔''(۴۱)

چنانچہ اظہارِ رائے کے دوران لفظی اختلافات اور جانبدارانہ امور میں پڑنے سے اجتناب کیا جائے۔ اسی طرح یہ بات بھی ضروری ہے کہ کسی بھی دینی معاملے میں گفتگو کرتے ہوئے تاریخی مواد اور روایات سے استدلال نہ کیا جائے۔ تاہم تاریخی اعتبار سے جو بات محدثانہ منہج سے ہم تک پہنچی ہو اُس سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

iii۔ نصیحت وخیر خواہی اور نرمی کا اسلوب اختیار کرنا

اسلام نصیحت اور خیر خواہی کا نام ہے۔ لہٰذا بین المسالک مکالمہ میں فریق ثانی کے لیے پوری خیر خواہی اور دردِ دلی کا جذبہ رکھنا ضروری ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد ہوا:

''پس اس (فرعون) سے نرمی سے بات کرنا شائد وہ نصیحت قبول کر لے یا ڈر جائے۔''(۴۲)

فرعون کافر تھا لیکن اس کے ساتھ بھی نرمی و ملائمت سے گفتگو کرنے کو کہا گیا۔ مسلمانوں کیساتھ مکالمہ میں تو اِس بات کا بدرجہ اولیٰ اہتمام کیا جانا ضروری ہے۔

غزوۂ طائف کا زیادہ تر مالِ غنیمت اللہ کے رسول ﷺ نے تالیفِ قلبی کے لیے نومسلموں میں تقسیم کر دیا تو چند انصاری نوجوانوں کی زبان پر حرفِ اعتراض آ گیا۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے یہ صورتِ حال رسولِ کریم ﷺ کے سامنے ذِکر کی۔

رسولِ کریم ﷺ نے پوچھا: سعد! تمہارا کیا خیال ہے؟

سعدؓ: یارسول اللہ ﷺ! میں بھی اپنی قوم کا ایک فرد ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا تو اپنی قوم کو ایک جگہ جمع کرو۔

آپ ﷺ تشریف لائے، اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور انصار کے حالات وخصائص بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اس عارضی دنیا کے لیے ناراض ہو گئے، قریش کے لوگ ابھی جاہلیت اور قتل وقید کی مصیبت سے نکلے تھے مقصد یہ تھا کہ ان کی دلجوئی ہو جائے۔ اے انصار کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے گھروں کو پلٹو..... انصار نے کہا ہاں ہم راضی ہیں کہ ہمارے حصے میں رسول اللہ ﷺ ہوں۔''(۴۳)

رسولِ کریم ﷺ کے اس مکالمے سے مخاطبین کے لیے نصیحت و خیر خواہی اور نرمی و ملائمت کا اظہار ہوتا ہے۔اس طرح آپ ﷺ نے شاہ حبش نجاشی کو جو خط بھیجا اس کے آخر میں لکھا تھا:

"میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا اور تمہیں نصیحت کر دی، پس تم میری نصیحت قبول کرو اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے"۔(۴۴)

اسی طرح منذر بن ساوی حاکم بحرین کے نام خط میں لکھا:

"بعد ازاں میں آپ کو اللہ عز وجل کی یاد دلاتا ہوں جو نصیحت قبول کرتا ہے وہ اپنے ہی آپ کو فائدہ پہنچاتا ہے جو شخص میرے قاصدوں کی پیروی کرے اور ان کی ہدایت پر عمل کرے گا اس نے حقیقت میں میری اطاعت کی اور جسنے ان کی نصیحت کو قبول کیا اس نے حقیقت میں میری نصیحت کو مانا۔"(۴۵)

iv۔ حُسنِ کلام اور خوشگوار گفتگو

مکالمہ دراصل طرفین کے درمیان ہونے والی گفت وشنید کو کہتے ہیں اور اس کا مقصد دوسرے کو اپنی رائے کا قائل کرنا یا اسے اپنا ہم نوا بنانا ہوتا ہے۔مکالمہ کی اہمیت اندازِ کلام پر منحصر ہے اور یہ وہ ہتھیار ہے جسے ہر نبی نے اپنے اپنے دور میں مکالمہ کے لیے استعمال کیا۔قرآنِ کریم نے مکالمہ میں اچھا اسلوب اختیار کرنے کی ترغیب دی اور بہت سے مقامات پر حُسنِ کلام اور بہترین طرزِ ادا کی مثال پیش کی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

"کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کس طرح تمثیل بیان فرمائی ہے۔وہ ایک شجرۂ طیبہ کے مانند ہے جس کی جڑ زمین میں اُتری ہوئی ہے اور جس کی شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی ہیں۔وہ اپنا پھل ہر فصل میں اپنے رب کے حکم سے دیتا رہتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے تمثیلیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ یاددہانی حاصل کریں اور کلمہ خبیثہ کی مثال ایک شجرۃ خبیثہ کی ہے جو زمین کے اُوپر ہی سے اُکھاڑ لیا جائے۔اسے ذرا ثبات حاصل نہ ہو۔اللہ اہلِ ایمان کو قولِ محکم کی بدولت دُنیا کی زندگی میں بھی ثبات عطا فرمائے گا اور آخرت میں بھی اور اللہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں کے اعمال ضائع کر دے گا۔اور اللہ جو چاہے کرتا ہے۔"(۴۶)

خراب باتیں انتشار و تفرق پیدا کرنے والی ہوتی ہیں جس سے سماج کی بنیادیں منہدم ہو جاتی ہیں جب کہ کلماتِ طیبہ سے دلوں میں چمک پیدا ہوتی ہے، جس سے خیر و بھلائی اور اُلفت ومحبت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اور لوگوں سے اچھی بات کہو"۔(۴۷)

''اور میرے بندوں سے کہو کہ وہی بات کہیں جو بہتر ہے۔ بے شک شیطان ان کے اندر وسوسہ اندازی کرتا رہتا ہے۔ شیطان انسان کا کھلا ہوا دُشمن ہے۔''(۴۸)

حافظ ابنِ کثیر فرماتے ہیں:

''اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ وہ اللہ کے مومن بندوں کو حکم دیں کہ وہ اپنی گفتگو میں کلامِ احسن اور خوشگوار جملہ استعمال کریں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو شیطان ان کو ایک دوسرے کے خلاف اُکسائے گا۔ اس طرح ان کے درمیان فساد اور لڑائی جھگڑا ہو جائے گا، کیونکہ شیطان، آدم (علیہ السلام) اور ابنِ آدم کا دُشمن ہے۔''(۴۹)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

''(اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ۔ اور بہت ہی اچھی طریق سے اُن سے مناظرہ کرو جو اُس کے راستے سے بھٹک گیا، تمہارا پروردگار اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو راستے پر چلنے والے ہیں اُن سے بھی خوب واقف ہے۔''(۵۰)

حُسنِ کلام سے تعلق کی استواری میں بہتری آتی ہے۔ اسی طرح مکالمہ میں اچھی گفتگو مسائل کو دوسروں کے سامنے پیش کرنے کا ذریعہ بھی ہے کیونکہ قولِ احسن دلوں کو کھولتا اور رُوح کو تازگی بخشتا ہے۔ مکالمے میں اچھی اور شائستہ زبان استعمال کی جائے بحث وجدال اور مناظرہ سے اجتناب کیا جائے۔ ارشادِ ربانی ہے:

''اور اچھی گفتگو اور محمود راستے کی طرف ہدایت کرو۔''(۵۱)

v۔ صبر وحلم

صبر وثبات مکالمہ کا اہم اصول ہے۔ مکالمہ میں اس کا مقصد اپنے نفس کو اِضطراب اور گھبراہٹ سے روکنا اور اس کو اپنی جگہ پر ثابت قدم رکھنا ہے یعنی اس سے مراد بے اختیاری کی خاموشی اور انتقام نہ لے سکنے کی مجبوری کے نہیں بلکہ پامردی، دل کی مضبوطی، اخلاقی جرأت اور ثابت قدمی کے ہیں۔ کفار اپنے پیغمبروں کے سمجھانے کے باوجود بت پرستی پر قائم رہتے ہیں تو ان کے اِس فکر وکردار کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

''یہ شخص (پیغمبر) تو ہم کو اپنے خداؤں (بتوں) سے ہٹا ہی چکا تھا۔ اگر ہم ان پر صابر (ثابت نہ رہتے''(۵۲)

رسولِ کریم ﷺ کو حکم تبلیغ کے ساتھ ہی صبر کا حکم دیا گیا:

''اے چادر پوش! اُٹھو اور لوگوں کو ہشیار کرو۔۔۔ اور اپنے رب کے لیے صبر کرو۔''(۵۳)

اسی قسم کے واقعات اکثر انبیاء علیہم السلام کو پیش آئے چنانچہ خود نبی کریم ﷺ کو اس اعلیٰ نمونے کی پیروی کا حکم ہوا۔

"(اے محمد ﷺ) آپ بھی اِسی طرح صبر وثبات کا مظاہرہ کریں جس طرح پختہ اِرادہ والے پیغمبروں نے کیا اور ان (مخالفوں) کے لیے جلدی نہ کریں۔"(۵۴)

رسول اللہ ﷺ کے مخالفین آپؐ سے فضول سوالات اور بحث کیا کرتے تھے اور طعنہ دیتے تھے۔ارشاد ہوا کہ ان طعنوں کی پروانہ کرنا اور نہ ان سے دل کو اُداس کرنا بلکہ دیکھو کہ آپ ﷺ سے پہلے پیغمبروں نے کیا کیا:

"اور ہم نے (بنی اسرائیل میں سے) ایسے پیشوا بنائے تھے جنھوں نے ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہوئے صبر سے کام لیا۔اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔"(۵۵)

آیتِ مبارکہ نے بنی اسرائیل کی گزشتہ امامت کے دوسبب بیان کیے ہیں،ایک احکامِ الٰہی پر یقین اور دوسرے ان احکام کی بجا آوری میں مستقل مزاجی،بعض اوقات مکالمہ میں نازیبا باتوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے جس کے خلاف قوتِ صبر کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرکے اس کی نصرت پر بھروسا کیا جائے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"ان کی باتوں پر صبر کرتے ہوئے اپنے رب کی حمد (بیان) کیجیے۔"(۵۶)

مکالمہ کے دوران بحث وتکرار کرتے ہوئے بات بگڑ سکتی ہے اگر مخاطب اخلاق سے گری ہوئی گفتگو بھی کرنی شروع کر دے تو بھی اس کا جواب احسن طریقے سے دینا چاہیے۔ارشادِ ربانی ہے:

"(اخلاق) حسنہ اور (اخلاق) سیئہ برابر نہیں ہیں۔بُرائی کا جواب اچھائی سے دو تو یکبارگی جس کے اور تمہارے درمیان مخالفت ہے وہ قریبی دوست سا ہو جائے گا۔اور یہ بات اسی کو ملتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور بڑی قسمت والے ہیں۔"(۵۷)

رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:

"**انما العلم باالتعلم، و انما الحلم بالتحلم، ومن یتحر الخیر یعطه و من یتق الشر یو قه**"(۵۸)

مکالمہ میں صبر مطلوب،حلم ممدوح اور عفو محمود ہے۔رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"جس نے اپنے غصہ پر قابو کیا اور وہ اسے پورا کرنے پر قادر بھی تھا۔اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے بلائے گا اور کہے گا کہ جنت کی جس حور کو چاہو اختیار کرلو۔"(۵۹)

صبر کا مظاہرہ کرنے سے بُرائیوں سے نجات ملتی ہے اور گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

"کسی بھی مسلمان کو جو کوئی مصیبت،دُکھ یا تکلیف پہنچتی ہے یہاں تک کہ اگر اسے کوئی کانٹا بھی چبھ جائے تو (اگر وہ صبر کرتا ہے تو) اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کی خطائیں مٹا دیتا ہے۔"(۶۰)

vi۔ ماحصل

فکری اِختلاف کے باوجود مسلمان کی تکریم اور احترام حُسنِ فکر کا تقاضا ہے جس کو مکالمہ میں مدِنظر رکھنا ضروری ہے۔ بین المسالک مکالموں کے اندر اگر اظہارِ رائے کے درج بالا اصولوں کو مدِنظر رکھا جائے تو مکالمہ اپنی افادیت حاصل کرتا ہے اور اس کے بہت مثبت اثرات معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں کیونکہ اِس قسم کے حقیقی مکالمے اور اظہارِ رائے سے اُمت مسلمہ کے مختلف مکاتبِ فکر کے درمیان اعتماد کی فضا قائم ہوگی اور صریح اظہارِ رائے سے باہمی تحفظات کا ازالہ ہوگا۔ اور سچی اور حقیقی گفتگو اُمتِ مسلمہ کے مختلف مسالک کے درمیان اخوت و محبت پیدا کرے گی۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر مختلف قسم کے آراء کا احترام کے ماحول میں تفہیم و تبادلہ ممکن ہو جائے تو اس سے تہذیبی لحاظ سے اُمتِ مسلمہ کی جڑیں مضبوط ہوں گی اور اسلامی معاشرہ ترقی، خوشحالی اور اعتدال کی راہ پر گامزن ہوگا۔

مراجع وحواشی

۱۔ ابن منظور، محمد بن مکرم لسان العرب، بیروت، دار صادر (س۔ن) ۲۔ الانشقاق: ۱۴

۳۔ مجد الدین، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، بیروت، الموسسۃ العربیۃ والنشر، (س ن)، ج ۲، ص ۱۶

۴۔ الکہف: ۳۴ ۵۔ الکہف: ۳۷ ۶۔ المجادلہ: ۱

۷۔ الازہری، محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، س۔ن، ج ۳، ص ۲۹

۸۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، پرائیویٹ لمیٹڈ، ۱۹۸۶ء، ج ۶، ص ۲۵۔۲۶

۹۔ اصلاحی، امین احسن، تدبر القرآن، دار التذکیر، ۲۰۰۲ء، ج ۲، ۴۷۵

۱۰۔ مسلم، ابوالحسین بن حجاج بن مسلم، الجامع الصحیح، ریاض، دار السلام، ۱۹۹۰ء، جز من الحدیث، کتاب الایمان، رقم ۱۱۲

۱۱۔ مسلم ابوالحسین بن حجاج بن مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الحج، رقم: ۴۲۶

۱۲۔ صالح بن حمید، ڈاکٹر، اصول الحوار، ریاض، الندوۃ العالمیہ للشباب الاسلامی، ۱۴۰۸ھ ص ۵

۱۳۔ البقرہ: ۳۰۔۳۲ ۱۴۔ المائدہ ۱۱۶: ۱۱۷ ۱۵۔ الکہف: ۶۶۔۸۲

۱۶۔ ص: ۲۱۔۲۴ ۱۷۔ مومن: ۴۴۔۸۸ ۱۸۔ الاحقاف ۲۹۔۳۲

۱۹۔ الشعراء: ۳۴۔۳۷ ۲۰۔ مومن: ۴۶۔۴۷ اور السبا: ۳۱۔۳۳ ۲۱۔ النمل: ۲۰۔۲۸

۲۲۔ مریم: ۴۔۱۰ ۲۳۔ مریم: ۵۔۶ ۲۴۔ البقرہ: ۱۲۷۔۱۳۱

۲۵۔ طٰہٰ: ۹۲۔۹۴ ۲۶۔ مریم: ۲۷۔۳۳ ۲۷۔ مسلم: الجامع الصحیح، کتاب الایمان، رقم: ۲۱

۲۸۔ الکہف: ۱۱۰

۲۹۔ ابنِ کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، بیروت المملکتبۃ العصریہ ۱۴۲۴ھ، ج ۳، ص ۱۰۸

۳۰۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ریاض، دار السلام، ۱۹۹۰ء، باب بدء الوحی، رقم ۱

۳۱۔ الاعراف: ۶۱۔۶۲ ۳۲۔ الاعراف: ۶۷۔۶۸ ۳۳۔ ابنِ کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، ص ۲۲۴

۳۴۔ ھود: ۸۸　　۳۵۔ النحل: ۹۰　　۳۶۔ النساء: ۵۸

۳۷۔ المائدہ: ۸

۳۸۔ طبری، محمد بن جبیر، جامع البیان عن تاویل القرآن، مصر، المکتبۃ البابی الحلبی، ۱۳۸۸ھ، ج ۶ ص ۱۴۱

۳۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب لاتتخذو، عدوی وعدوکم اولیاء، رقم: ۴۸۹۰

۴۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، رقم: ۶۱۶۵　　۴۱۔ الانعام: ۱۵۲　　۴۲۔ طٰہٰ: ۴۴

۴۳۔ بخاری، کتاب المغازی، رقم: ۶۱۶۵

۴۴۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، مجموعہ الوثائق السیاسیۃ لعہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخلافۃ الراشدہ، ص ۴۴

۴۵۔ ابن قیم، محمد ابی بکر، زاد المعاد، بیروت، موسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر، ۱۴۰۱ھ، ج ۳، ص ۶۱۔۶۲

۴۶۔ ابراہیم: ۲۴۔۲۷　　۴۷۔ البقرہ: ۸۳　　۴۸۔ بنی اسرائیل: ۵۳

۴۹۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، ج ۳، ص ۴۶

۵۰۔ سورۃ النحل: ۱۲۵　　۵۱۔ الحج: ۲۴　　۵۲۔ الفرقان: ۴۲

۵۳۔ المدثر: ۱۔۷　　۵۴۔ الاحقاف: ۳۵　　۵۵۔ السجدہ: ۲۴

۵۶۔ طٰہٰ: ۱۳۰ اور ق: ۳۹　　۵۷۔ حم السجدہ: ۳۴۔۳۵

۵۸۔ البانی، محمد ناصر الدین، صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ، بیروت، المکتب الاسلامی، ۱۴۰۶ھ، ج ۱، ص ۴۶۱، رقم الحدیث: ۲۳۲۸

۵۹۔ سنن ابو داؤد، کتاب الآداب، رقم: ۴۷۷۷، اور ابن ماجہ، کتاب الزھد، رقم: ۶۱۸۶

۶۰۔ بخاری، کتاب المرض، رقم: ۵۶۴۱، اور مسلم: کتاب البر، رقم: ۵۲